صبحِ کشمیر
مولانا وحید الدّین خاں

آغازِ کلام

ماہ نامہ الرسالہ، اکتوبر 1976 میں جاری ہوا۔ بالکل شروع ہی سے وہ ریاست جموں وکشمیر میں پھیلنے لگا، یہاں تک کہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ماہ نامہ الرسالہ کے ذریعے، الرسالہ مشن اب جموں وکشمیر کے تقریباً ہر گھر میں پہنچ چکا ہے۔

اِس سلسلے میں ایک کڑی کے طور پر حال میں تین بار دعوت کے موضوع پر دہلی میں کشمیر میٹ (Kashmir Meet) ہوئی۔ اِس میٹ (اجتماع) کی تاریخی تفصیل یہ ہے:

کشمیر میٹ اول، 5-6 فروری 2011، کشمیر میٹ دوم، 29-30 اکتوبر 2011

کشمیر میٹ سوم، 25-26 نومبر 2011

اِن اجتماعات کا جو موضوع تھا، وہ صرف ایک تھا— کشمیر میں دعوتِ اسلامی کا احیاء۔ اِس موضوع پر جو تقریریں ہوئیں، یا اہلِ کشمیر سے جو گفتگو ہوئی، اس میں کشمیر سے تعلق رکھنے والے تمام موضوعات زیر بحث آئے۔ الرسالہ کے زیر نظر شمارے میں، ان تقریروں اور گفتگو کا خلاصہ شائع کیا جارہا ہے۔

یہ خلاصہ روداد کی شکل میں نہیں ہے، بلکہ وہ شذرات (fragments) کی شکل میں ہے۔ مختلف باتیں اور تاثرات الگ الگ عنوان کے تحت درج کئے جارہے ہیں۔ امید ہے کہ یہ مجموعہ کشمیر میں امن کے قیام اور دعوتِ اسلامی کے فروغ کے لیے ان شاء اللہ ایک بوسٹر (booster) ثابت ہوگا۔

نئی دہلی، یکم دسمبر 2011 — وحیدالدین

صبحِ کشمیر

1917 میں روس میں کمیونسٹ پارٹی کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے بعد اِس کمیونسٹ حکومت نے مسلسل یہ کوشش شروع کی کہ وہ اطراف کے علاقوں میں کمیون ازم کو برآمد (export) کرے۔ اِنھیں میں سے ایک نشانہ تاشقند کا ملک تھا جس کا دار السلطنت سمرقند تھا۔ اُس زمانے میں ایک کمیونسٹ رائٹر نے اِس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی، جو ''صبح سمرقند'' کے نام سے شائع ہوئی:

Joshua Kunitz, *Dawn Over Samarkand*, 1935,
350 pages, The Van Rees Press, New York

یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کشمیر میں اب ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ اِس دور کو درست طور پر ''صبح کشمیر'' (*Dawn Over Kashmir*) کہا جاسکتا ہے۔ کشمیر میں یہ دور کسی خارجی سبب سے نہیں، بلکہ خود اہلِ کشمیر کے اندر ابھرنے والی نئی سوچ کے زیر اثر وجود میں آیا ہے۔ اکتوبر 1989 میں کشمیر میں مسلح جدوجہد شروع ہوئی۔ اُس کے بعد کشمیر میں جو تباہی پیش آئی، اس کے حوالے سے وہاں ایک کتاب شائع کی گئی تھی۔ اِس کتاب کا نام ''زخمی کشمیر'' (*Wounded Kashmir*) تھا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ وہاں ایک نئی کتاب چھاپی جائے، جس کا نام صحت مند کشمیر (*Healthy Kashmir*) ہو۔ الرسالہ کا زیر نظر شمارہ، گویا کہ کشمیر کے اِسی نئے صحت مند دور کا ترجمان ہے۔

فطرت کا قانون اور تاریخ کا تجربہ دونوں یہ بتاتے ہیں کہ خدا کی اِس دنیا میں تخریبی آغاز کی ایک حد (end) ہے، لیکن اِس دنیا میں تعمیری آغاز کی کوئی حد نہیں۔ 1947 میں تقسیم ہند کے بعد کچھ ناعاقبت اندیش لیڈروں نے خود ساختہ تصورِ جہاد کے تحت کشمیر میں تخریبی جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ قانونِ فطرت کے تحت اب اِس تخریبی جدوجہد کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ اب کشمیر میں، کشمیر کی تاریخ کا نیا سفر شروع ہو چکا ہے۔ قانونِ فطرت کے تحت لازماً یہ واقعہ پیش آنا ہے کہ یہ تعمیری سفر مسلسل جاری رہے، یہاں تک کہ وہ اپنی آخری منزل پر پہنچ جائے۔

تخریب کے بعد تعمیر

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے 610 عیسوی میں مکہ میں اپنا دعوتی مشن شروع کیا۔ مکہ میں آپ کے مشن کو سخت مزاحمت کا سامنا پیش آیا۔ حالات کے تقاضے کے تحت 622 عیسوی میں آپ نے مکہ سے

مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مکہ کے برعکس، مدینہ میں آپ کو نہایت موافق حالات ملے۔ مدینہ میں کسی رکاوٹ کے بغیر اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ مدینہ میں ایسا کیوں ہوا، اِس کا جواب حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ملتا ہے: **کان یوم بُعاث یوماً قدّمه اللّٰہ لرسوله** (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 3777) یعنی جنگ بُعاث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے لیے ایک خدائی رحمت کی حیثیت رکھتی تھی:

The battle of Bu'ath was a blessing in disguise for the Prophet of Islam.

مدینہ (یثرب) میں دو بڑے قبیلے تھے — اَوس اور خزرج۔ قبائلی مزاج کے مطابق، اِن دونوں کے درمیان اکثر ٹکراؤ ہوتا رہتا تھا۔ ہجرت کے پانچ سال پہلے دونوں قبیلوں کے درمیان ایک خوں ریز جنگ ہوئی۔ اِس جنگ کو ''جنگِ بُعاث'' کہا جاتا ہے۔

اِس جنگ میں دونوں قبیلوں کے افراد بڑی تعداد میں مارے گئے۔ اِس کے بعد اہلِ یثرب کے اندر سکنڈ تھاٹ (second thought) پیدا ہوا۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ سمجھنے لگے کہ اُنھیں با عزت زندگی حاصل کرنے کے لیے تشدد پر مبنی آئڈیالوجی کے بجائے، امن پر مبنی آئڈیالوجی درکار ہے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب کہ اسلام کی دعوت مدینہ پہنچی اور وہ تیزی سے لوگوں کے دلوں میں داخل ہوگئی۔

تقریباً یہی صورتِ حال ریاست جموں وکشمیر میں پیش آئی ہے۔ 1947 میں تقسیم ہند کے بعد اِس ریاست میں جلسوں اور مظاہروں کی صورت میں ''جہادِ کشمیر'' شروع ہوا۔ ایک عرصے کے بعد اِس تحریک نے تشدد کی صورت اختیار کرلی۔ ایک طرف، کشمیری مجاہدین تھے اور دوسری طرف، انڈین آرمی۔ یہ ایک نامساوی تصادم تھا۔ چناں چہ فطری طور پر ایسا ہوا کہ کشمیر کے لوگ بڑی تعداد میں مارے گئے۔ مسلح تصادم کے نتیجے میں جو حالات پیدا ہوئے، اُس نے کشمیر کو ہر پہلو سے شدید نقصان پہنچایا۔ تعلیم اور سیاحت اور اقتصادیات اور دوسرے سماجی ادارے ناقابلِ تلافی حد تک تباہ ہوگئے۔

اِس صورت حال کو دیکھ کر اہلِ کشمیر کا ضمیر جاگ اٹھا۔ اُن کے اندر بڑے پیمانے پر نظرِ ثانی (rethinking) کا عمل جاری ہوگیا۔ اِسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اب اہلِ کشمیر نے مسلح ٹکراؤ کو چھوڑ دیا، اور انھوں نے پُرامن دعوت کا طریقہ اختیار کرلیا۔

آج صورت حال یہ ہے کہ ریاست جموں وکشمیر میں قدیم طرز کی ملٹنسی (militancy) تقریباً ختم ہوگئی ہے۔ اب اہلِ کشمیر، ون مین ٹو مشن (one man, two mission) کا کلچر اختیار کررہے

ہیں۔ ایک طرف، وہ تعلیم اور تجارت جیسے شعبوں میں اپنا مستقبل تلاش کررہے ہیں، اور دوسری طرف، وہ پرامن دعوت کو اپنا دینی فرض سمجھ کر دعوت الی اللہ کا کام کررہے ہیں۔

پیغمبرانہ ماڈل

حضرت یوسف ایک اسرائیلی پیغمبر تھے۔ اُن کا زمانہ ساڑھے تین ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔ وہ کنعان (فلسطین) میں پیدا ہوئے، پھر مخصوص حالات کے تحت وہ مصر پہنچے۔ یہاں اُس وقت ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔ حضرت یوسف کے اِس قصے کو قرآن میں احسن القصص (best story) کہا گیا ہے۔
اِسی طرح، حضرت محمد ایک اسماعیلی پیغمبر تھے۔ ان کا زمانہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔ آپ کے زمانے میں ایک مشہور واقعہ پیش آیا۔ اِس واقعے کو اسلام کی تاریخ میں صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں اِس واقعہ کو فتح مبین (48: 1) کہا گیا ہے۔

یہ دونوں واقعات دو پیغمبروں کے نمونے ہیں۔ اِن دونوں واقعات سے مشترک طور پر معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی جدوجہد کا کامیاب فارمولا کیا ہے۔ وہ فارمولا یہ ہے— سیاسی معاملے میں یک طرفہ صلح، اور دعوت کے میدان میں پُرامن جدوجہد:

Political statusquoism, Dawah activism

حضرت یوسف کے زمانے میں مصر میں ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔ بادشاہ نے حضرت یوسف کو یہ پیش کش کی کہ وہ بادشاہ کے اقتدار کو تسلیم کرتے ہوئے ملک کے انتظام (administration) کا عہدہ قبول کرلیں۔ قرآن میں اِس کے لیے دینِ ملِک (12:76) کے الفاظ آئے ہیں، اور بائبل میں اس کی بابت یہ الفاظ ہیں: سو تو میرے گھر کا مختار ہوگا، اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی۔ فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے، میں بزرگ تر ہوں گا:

> You shall be over my house, and all my people shall be ruled according to your word; only in regard to the throne, will I be greater than you. (Genesis, 41: 40)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مکہ میں 610 عیسوی میں ہوئی۔ اُس زمانے میں قریش کو عرب میں قیادت کا مقام حاصل تھا۔ پیغمبر اسلام نے قریش سے امن کا معاہدہ کیا، جو اسلام کی تاریخ میں، معاہدۂ حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ اِس معاہدے کے تحت، پیغمبر اسلام نے قریش کی قائدانہ حیثیت کو تسلیم کرلیا، اور قریش کی یک طرفہ شرطوں کو مانتے ہوئے آپ نے اُن سے 10 سال کا ناجنگ معاہدہ (no-war pact)

کرلیا۔ اِس معاہدے کے مطابق، قریش کی قائدانہ حیثیت برقرار رہی، اورآپ کو پرامن دعوت کے لیے کھلے مواقع مل گئے۔

یہی اجتماعی کام کا پیغمبرانہ ماڈل ہے۔ اہلِ کشمیراور تمام دنیا کے مسلمانوں کو اسی پیغمبرانہ ماڈل کی پیروی کرنی ہے۔ یہی واحد ماڈل ہے جس کی پیروی کرکے مسلمان دنیا میں عزت اور کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ اِس کے سوا کوئی دوسرا ماڈل اِس دنیا میں قابلِ عمل نہیں۔

اِس کے مطابق، اہلِ کشمیر اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے اوپر فرض ہے کہ وہ نفرت اور تشدد کا طریقہ مکمل طور پر چھوڑ دیں۔ وہ مسلح جدوجہد (armed struggle) کے لفظ کو اپنی ڈکشنری سے ہمیشہ کے لیے نکال دیں۔ وہ نفرت پر مبنی لٹریچر کو جلا دیں، وہ ٹکراؤ کی سیاست کو کامل طور پر چھوڑ دیں، وہ اپنے تمام ہتھیاروں کو ہمیشہ کے لیے دریا میں پھینک دیں، وہ دوسرے انسانوں کے حریف (rival) بننے کے بجائے، دوسرے انسانوں کے خیر خواہ (well-wisher) بن جائیں، وہ دل سے انسان دوست کلچر (human-friendly culture) کو اختیار کرلیں، ایسا کرنا اپنی خواہش پر چلنے کے بجائے، خدا کی صراطِ مستقیم پر چلنا ہوگا، اور جولوگ اپنی خواہش کا اتباع چھوڑ دیں اور وہ خدا کی صراطِ مستقیم کے پیرو بن جائیں، وہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دنیا کی سعادت بھی مقدر ہے اور آخرت کی سعادت بھی۔

سنتِ رسول کے خلاف

1947 کے بعد کشمیر میں پُرشور کشمیری جدوجہد شروع ہوئی۔ ابتداءً وہ جلسہ جلوس اور پرامن مظاہرہ کی شکل میں تھی، مگر اِن کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اِس کے بعد کشمیریوں میں تشدد کا مزاج پیدا ہوگیا۔ اکتوبر 1989 میں کشمیریوں نے پرامن طریقِ کار کو چھوڑ کر مسلح طریقِ کار کا راستہ اختیار کرلیا۔ اب ہر طرف گن کلچر اور بم کلچر نظر آنے لگا۔

کشمیری تحریک کے اِس نئے موڑ سے صرف چند ماہ پہلے میں سری نگر گیا تھا۔ وہاں 29 جون 1989 کو سری نگر کے ٹیگور ہال میں میری ایک تقریر ہوئی۔ اِس تقریر کا آڈیو کیسٹ اب بھی موجود ہے۔ اِس تقریر میں، میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک عرب بدو مدینہ آیا۔ وہاں اس نے مسجد نبوی کو گندا کردیا۔ صحابہ نے اس کو پکڑ کر اس کی سرزنش کرنا چاہا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس سے منع کردیا۔ آپ نے کہا کہ جہاں اس نے گندا کیا ہے، وہاں تم پانی بہا کر اس کو صاف کردو (صحيح البخاري، رقم الحديث: 5679)۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس سلوک کا عرب بدو پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ اِس کے بعد اس نے اپنے قبیلے میں جا کر لوگوں کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو اس کا قبیلہ اتنا متاثر ہوا کہ جلد ہی پورا قبیلہ اسلام کے دائرے میں داخل ہوگیا۔ اِس واقعے کو بیان کرنے کے بعد میں نے کہا کہ یہ پیغمبر اسلام کا طریقہ ہے۔ پیغمبر اسلام نے اپنا مقصد پانی بہا کر حاصل کیا تھا، آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنا مقصد خون بہا کر حاصل کریں۔ ایسا ہونا خدا کی اِس دنیا میں کبھی ممکن نہیں۔

بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ 29 جون 1989 کو اللہ کی توفیق سے جو الفاظ میں نے کہے تھے، وہ کشمیر میں ایک واقعہ بن گئے۔ کشمیریوں کی مسلح جدوجہد سے صرف اُن کے نقصان میں اضافہ ہوا، اس سے ان کو کوئی مثبت فائدہ حاصل نہ ہوسکا۔ اب آخری وقت آگیا ہے کہ کشمیر کے مسلمان یوٹرن (U-turn) لیں، وہ پر تشدد قومی جدوجہد کے بجائے پرامن دعوتی جدوجہد کو اپنا نشانہ بنائیں۔

تاریخ کو انتظار ہے

قرآن کی سورہ یونس میں یہ آیت آئی ہے: **واللّٰہ یدعوا إلی دار السلام** (10:25) یعنی اللہ بلاتا ہے امن کے گھر کی طرف:

And God calls to the home of peace.

اِسی طرح، قرآن کی سورہ آل عمران میں یہ آیت آئی ہے: **أفغیر دین اللّٰہ یبغون، ولہ أسلم مَن في السماوات والأرض طوعاً وکرھاً، وإلیہ یُرجعون** (3: 83) یعنی کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالاں کہ اللہ کے دین کے تابع ہے، وہ سب کچھ جو زمین اور آسمان میں ہے، اور سب کو اُسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا مطلوب دین امن کا دین ہے۔ ستاروں اور سیاروں کی دنیا میں کامل امن قائم ہے۔ اِسی طرح، نباتات اور حیوانات کی دنیا میں بھی امن کا کلچر موجود ہے۔ یہی امن کا کلچر انسان سے بھی مطلوب ہے۔ اسلام کا مدعا یہ ہے کہ لوگ اِس امن کلچر پر قائم ہوں، کیوں کہ تمام مثبت سرگرمیاں اُسی سماج میں کامیابی کے ساتھ جاری ہوتی ہیں جہاں امن کا ماحول قائم ہو۔ موجودہ زمانے میں ایک طرف، عالمی میڈیا کا دور آیا۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ عین اِسی زمانے میں ساری دنیا کے مسلمان جہاد کے نام پر مسلح جدوجہد (armed struggle) میں مشغول ہوگئے۔ اِن سرگرمیوں کا یہ منفی نتیجہ نکلا کہ ساری دنیا میں اسلام، تشدد کا مذہب (violent religion) سمجھا جانے لگا۔

یہ بے حد سنگین صورتِ حال ہے۔ اِس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اسلام کی اِس منفی تصویر (negative image) کو بدلا جائے۔ عالمی میڈیا کوامیج بلڈنگ (image building) کا ذریعہ بنایا جائے، یعنی اسلام کو اِس حیثیت سے نمایاں کیا جائے کہ وہ لوگوں کو مذہبِ تشدد (religion of violence) کے بجائے، مذہبِ امن (religion of peace) نظر آنے لگے۔

اب آخری وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں میں کم از کم کوئی ایک گروہ ایسا اٹھے جو اسلام کی متشددانہ تصویر کو بدلے، جو اِس بات کا ذریعہ بنے کہ خدا کا دین لوگوں کو امن اور رحمت کا دین دکھائی دینے لگے، جو اب تک لوگوں کو صرف نفرت اور تشدد کا دین نظر آ رہا ہے۔ یہ موجودہ زمانے کی ایک عظیم ترین سعادت ہے۔ جو مسلم گروہ اِس سعادت کا حق دار بنے گا، وہ بلاشبہہ دنیا اور آخرت میں اللہ کے عظیم انعامات کا مستحق قرار پائے گا۔ اِس مقصد کو کوئی ایسا مسلم علاقہ انجام دے سکتا ہے جو بر وقت عالمی میڈیا میں آ چکا ہو۔ موجودہ زمانے میں کئی ایسے مسلم علاقے ہیں جو عملاً عالمی میڈیا میں آ چکے ہیں۔ لیکن حالات بتاتے ہیں کہ غالباً صرف ایک مسلم علاقہ ہے جو اِس واقعے کو ظہور میں لا سکتا ہے۔

راقم الحروف کے اندازے کے مطابق، یہ علاقہ ریاست جموں وکشمیر ہے۔ مختلف اسباب سے یہ علاقہ بالفعل عالمی میڈیا میں آ چکا ہے۔ مگر ابھی وہ متشددانہ اسلام (violent Islam) کے اعتبار سے، عالمی میڈیا میں ہے۔ اب جو کچھ کرنا ہے، وہ صرف یہ کہ اہلِ کشمیر اپنی اِس حیثیت کو دریافت کریں اور اس کو مثبت معنوں میں وہ اسلام کی امیج بلڈنگ کے لیے استعمال کریں۔

یہ عظیم سعادت اہلِ کشمیر کو اُس وقت حاصل ہوگی، جب کہ وہ اپنے ہتھیاروں کو دریا میں پھینک دیں، اور اعلان کے ساتھ دنیا کو یہ بتا دیں کہ اب انھوں نے متشددانہ کلچر کو چھوڑ دیا ہے۔ اب انھوں نے سوچ سمجھ کر پُرامن طریقہ اختیار کرلیا ہے، جو کہ اصل اسلام کا طریقہ ہے۔ اہلِ کشمیر کا یہ فیصلہ فی الفور عالمی میڈیا کے لیے ایک بریکنگ نیوز (breaking news) بن جائے گا۔ یہ ایک عظیم کریڈٹ ہے جو کسی مستحق گروہ کا انتظار کر رہا ہے، اور اہلِ کشمیر بلاشبہہ یہی گروہ بن کر اِس کریڈٹ کا استحقاق حاصل کر سکتے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (632ء) کے بعد وہ حالات پیدا ہوگئے۔ جب کہ عرب میں اسلام کی امیج (image) اُس سے مختلف نظر آنے لگی جو کہ پیغمبر اسلام کے زمانے میں تھی۔ اُس وقت حضرت ابوبکر صدیق اٹھے۔ انھوں نے کہا: أینقص الدین، وأنا حيٌّ (هداية الرُواة لابن

حجر العسقلاني، رقم الحديث: 3031) کیا دین میں نقص آئے گا، حالاں کہ میں زندہ ہوں۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور حالات بہت جلد درست ہوگئے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اہلِ کشمیر کھڑے ہوکر یہ کہیں کہ — ہم اِس بات کو برداشت نہیں کرسکتے کہ اسلام کو تشدد کا مذہب سمجھا جائے۔ ہم دوبارہ دنیا کو بتائیں گے اسلام رحمت اور امن کا مذہب ہے۔ جس دن اہلِ کشمیر متحد ہوکر یہ کہیں گے، اُسی دن اللہ کی مدد ٹوٹ پڑے گی اور اسلام دوبارہ مذہبِ امن کی حیثیت سے عالمی سطح پر اپنی جگہ حاصل کرلے گا۔

کشمیر دھماکہ (Kashmir explosion)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے 622 عیسوی میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت سے پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ: أمرت بقرية تأكل القرى، يقولون يثرب، وهي المدينة (صحيح البخاري، رقم الحديث: 1748) یعنی مجھ کو ایک ایسی بستی کا حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی۔ لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں، اور وہ مدینہ ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہ مدینہ کے لیے اللہ نے مقدر کیا تھا کہ وہ دعوتِ توحید کے لیے فلیش پوائنٹ (flash-point) بنے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا، مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد توحید کا دین (اسلام) بہت جلد ایک عالمی دین بن گیا۔

موجودہ زمانے میں اسلام کی تصویر (image) ایک متشددانہ مذہب کی بن گئی ہے۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں، اسلام کی یہی منفی تصویر ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اب اکیسویں صدی میں آخری طور پر وہ وقت آگیا ہے جب کہ اسلام کی پرامن تصویر دنیا کے سامنے آئے۔ میڈیا کے دور میں اِس مقصد کے لیے ایک بریکنگ نیوز (breaking news) درکار ہے۔ سپر بریکنگ نیوز ہی اکیسویں صدی میں، اسلام کو دوبارہ ایک پرامن مذہب کی صورت میں دنیا کے سامنے نمایاں کرسکتی ہے۔

غور کیا جائے تو آج کی دنیا میں کشمیر وہ واحد مقام ہے جہاں سے اِس بریکنگ نیوز کا آغاز ہوسکتا ہے۔ پچھلے برسوں میں کشمیر میں اسلام کے نام پر متشددانہ تحریک چلی، تاہم اس کا ایک مثبت پہلو ہے۔ اس کی وجہ سے یہ ہوا کہ میڈیا کے دور میں کشمیر عالمی نیوز میں آگیا۔ اب اگر کشمیر میں پُرامن اسلام کی دعوت ابھرے تو اچانک یہ ہوگا کہ کشمیر عالمی میڈیا کے لیے ایک بریکنگ نیوز بن جائے گا۔ کشمیر وہ مقامِ تعارف بن جائے گا جہاں سے دنیا کو اِس واقعہ کی خبر ملے کہ اسلام امن کا مذہب ہے، وہ تشدد کا

مذہب نہیں۔ حالات بتاتے ہیں کہ کشمیر کے لیے اِس کریڈٹ کا ملنا مقدر ہو چکا ہے۔ آج اسلام کو ایک پُرامن دھماکہ (peaceful explosion) کی ضرورت ہے۔ حالات بتاتے ہیں کہ غالباً کشمیر وہ مقام ہے جس کے لیے یہ مقدر ہے کہ وہ اکیسویں صدی میں اسلام کے اِس پرامن دھماکے کا مقام بنے۔ یہ بلاشبہہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا تاریخ کو آج سب سے زیادہ انتظار ہے۔

امن کی اہمیت

قرآن کی سورہ النساء میں ارشاد ہوا ہے: **الصلح خیر** (4: 128) یعنی صلح زیادہ بہتر ہے۔ صلح کیا ہے، صلح دراصل امن کے نتیجے کا دوسرا نام ہے۔ جہاں صلح ہے، وہاں امن ہے اور جہاں صلح نہیں، وہاں امن بھی نہیں۔ اِس اعتبار سے، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام میں امن کو خیر اعلیٰ کا درجہ حاصل ہے۔

عام طور پر لوگ انصاف (justice) کو بڑی چیز سمجھتے ہیں، مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ انصاف کی حیثیت صرف ایک تصوراتی معیار کی ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ یہ تصوراتی معیار عملاً کس طرح حاصل ہو۔ اِس کا جواب صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ امن کے ذریعے۔ امن کا یہ فائدہ ہے کہ اس کے ذریعے مواقع کھلتے ہیں۔ انصاف کسی کو خود بخود نہیں ملتا۔ انصاف کسی گروہ کو صرف اُس وقت ملتا ہے، جب کہ وہ مواقع کو پہچانے اور اس کو دانش مندانہ طور پر استعمال (avail) کرے۔

موجودہ زمانے میں بہت سے مقامات ہیں جہاں لوگ انصاف کے لیے لڑ رہے ہیں، مگر اِن میں سے ہر ایک اپنا مطلوب انصاف پانے میں ناکام ہے۔ اِس کا سبب صرف ایک ہے، اور وہ ہے طریقِ کار (method) کی غلطی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اِس دنیا میں ساری اہمیت طریقِ کار کی ہے۔ کوئی صحیح مقصد بھی غلط طریقِ کار کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اصول اتنا زیادہ عام ہے کہ اس میں اہلِ کشمیر یا کسی غیر اہلِ کشمیر کا کوئی استثنا (exception) نہیں۔

کوئی گروہ جو انصاف کا طالب ہو، اُس کو سب سے پہلے اپنے یہاں امن قائم کرنا چاہیے۔ امن کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اُس کو ہر حال میں قائم کرنا ضروری ہے، خواہ اس کی کوئی بھی قیمت دینی پڑے۔ امن کبھی دوطرفہ بنیاد پر قائم نہیں ہوتا، امن ہمیشہ یک طرفہ صبر کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اِس کے سوا، امن کے قیام کا کوئی اور طریقہ نہیں۔

فطرت کا نظام، مواقع (opportunities) پر مبنی ہے۔ فطرت کے نظام کے تحت ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ مواقع وافر مقدار میں موجود رہتے ہیں۔ نفرت اور تشدد کا ماحول اِن فطری مواقع کے لیے ٹریپ ڈور

کی حیثیت رکھتا ہے۔فطرت کا تقاضا ہے کہ آدمی سب سے پہلے نفرت اور تشدد کے ٹریپ (trap door) ڈور کو ہٹائے۔ اِس ٹریپ ڈور کے ہٹتے ہی مواقع ایک سیلاب کی طرح اُمڈ پڑتے ہیں۔ یہ مواقع اپنی نوعیت کے اعتبار سے، سیکولر بھی ہوتے ہیں اور دینی بھی۔

مواقع کا سیکولر استعمال یہ ہے کہ لوگ تعلیم اور اقتصادیات جیسے تعمیری شعبوں میں سرگرم ہوجائیں اور کھلے ہوئے مواقع کو استعمال کرکے وہ ہر قسم کی ترقیاں حاصل کریں۔ مواقع کا دینی استعمال یہ ہے کہ اہلِ ایمان اِن مواقع کو دعوت الی اللہ کے لیے استعمال کریں، وہ دعوت کے مشن میں سرگرم ہوکر اپنے آپ کو اعلیٰ خدائی انعامات کا مستحق بنائیں — اس معاملے میں اہلِ کشمیر کو خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ اُن کے لیے یہ عظیم موقع ہے کہ وہ اپنی ریاست میں امن قائم کریں اور لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچا کر، خدا کے عظیم انعامات کے مستحق بنیں۔

کشمیر کا مستقبل

1947 کے بعد ریاست جموں وکشمیر ایک پرابلم اسٹیٹ (problem state) بن گیا۔ انسائکلو پیڈیا برٹانکا (1984) نے اِس واقعے کو تاریخ کا اتفاق (accident of history) بتایا ہے (EB 9/32)۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ 1947 کے بعد ریاست جموں وکشمیر میں جو کچھ ہوا، وہ سادہ معنوں میں صرف ''تاریخ کا اتفاق'' نہ تھا، بلکہ وہ خدا کا ایک فیصلہ (verdict of God) تھا۔ بظاہر اِس اتفاقی واقعے کے پیچھے خدا کی ایک عظیم مصلحت نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ اکیسویں صدی میں، ریاست جموں وکشمیر اِس حقیقت کا عنوان بنے کہ اسلام تشدد کا مذہب نہیں، اسلام پورے معنوں میں، امن کا مذہب ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مسائل (problems) انسانی زندگی میں ہمیشہ مثبت رول ادا کرتے ہیں۔ مسائل کے بغیر انسانی زندگی جمود (stagnation) کا شکار ہوجاتی ہے۔ مسائل کسی انسانی گروہ کو، تخلیقی گروہ (creative group) بناتے ہیں۔ مسائل، انسانوں کے اندر نئی سوچ پیدا کرتے ہیں۔ مسائل ہمیشہ بہتر مستقبل کی تمہید ہوتے ہیں۔ مسائل کی حیثیت زندگی میں، زحمت میں رحمت (blessing in disguise) کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے ساتھ جو مسائل پیش آئے، وہ اس کی بہتری کے لیے تھے، اور یہ بہتری ریاست میں اب واقعہ بنتے ہوئے نظر آرہی ہے۔

واقعات بتاتے ہیں کہ جموں وکشمیر کے حالات نے وہاں کے لوگوں کے اندر اپنے بارے میں نظر

ثانی کا ذہن پیدا کیا ہے۔ اب ریاست کے لوگ پہلے کے مقابلے میں، زیادہ حقیقت پسند ہوگئے ہیں۔ انھوں نے تشدد کے بجائے امن کی طرف اپنا نیا سفر شروع کردیا ہے۔ وہ منفی سوچ (negative thinking) سے باہر آگئے ہیں، اور وہ مثبت سوچ (positive thinking) کی اہمیت کو سمجھنے لگے ہیں۔ ماضی کے تجربے کی روشنی میں، انھوں نے رومانوی سیاست کو چھوڑ دیا ہے، اور حقیقت پسندانہ تعمیر کے راستے پر اپنا نیا سفر شروع کردیا ہے۔ انھوں نے بے فائدہ ہنگاموں کے بجائے، نتیجہ خیز عمل کا راز دریافت کرلیا ہے — یہ اعلیٰ اوصاف بلاشبہہ کشمیر کے لیے ایک روشن مستقبل کی ضمانت ہیں۔

امن کی طاقت زیادہ

2 دسمبر 2009 کی شام کو دہلی میں ایک تعلیم یافتہ مسلمان مسٹر بٹ سے ملاقات ہوئی۔ وہ الرسالہ مشن سے پوری طرح متفق ہیں۔ وہ آج کل افغانستان میں رہتے ہیں۔ وہ وہاں اسلام اور امن کے موضوع پر کام کررہے ہیں۔ وہ پشتو اور فارسی زبان اچھی طرح جانتے ہیں۔ اِس لیے وہ کامیابی کے ساتھ وہاں پُرامن دعوت کا مشن پھیلا رہے ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ ایک باران کی ملاقات کچھ افغانی انتہا پسندوں سے ہوئی۔ گفتگو کے دوران انھوں نے افغانی انتہا پسندوں سے کہا کہ آپ لوگ خودکش بم باری کیوں کرتے ہیں۔ افغانی انتہا پسندوں نے کہا کہ ہمارے دشمن کے پاس جو ہتھیار ہے، اُس کا جواب ہمارے پاس نہیں، اِس لیے ہم مجبور ہوکر خودکش بم باری کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ معاملہ اِس کے برعکس ہے۔ آپ کے پاس جو ہتھیار ہے، اس کا جواب اُن کے پاس نہیں۔ فارسی زبان میں یہ گفتگو اِس طرح تھی:

افغانی : جوابِ اسلحۂ آنہا پیشِ ما نیست،

مسٹر بٹ : جوابِ اسلحۂ شُما پیشِ آنہا نیست

انھوں نے کہا کہ آپ تشدد کی طاقت استعمال کررہے ہیں، لیکن اسلام کے مطابق، امن کی طاقت اُس سے زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إنَّ اللہ یعطی علی الرّفق، ما لا یعطی علی العنف (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2593)** یعنی خدا پُرامن عمل پر وہ چیز دیتا ہے جو وہ متشددانہ عمل پر نہیں دیتا۔ اِس معاملے کی عملی مثال اسلام کی ابتدائی تاریخ میں موجود ہے۔ احد کا غزوہ 3 ہجری میں پیش آیا۔ اِس میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اِس کے بعد 6 ہجری میں آپ نے فریقِ ثانی سے امن کا معاہدہ کرلیا، جو معاہدۂ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ گویا وائلنٹ ایکٹوزم کے بجائے پیس فل

ایکٹوزم کواختیار کرنا تھا۔ اِس کا نتیجہ، قرآن کے الفاظ میں، فتحِ مبین ((1 :48 کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ متشددانہ بم پر نظریاتی بم کی برتری کی ایک مثال ہے۔

چشمے کا سبق

کشمیر کے ایک سفر میں، میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ میں کچھ کشمیری ساتھیوں کے ہم راہ شہر سے باہر گیا۔ وہاں کھلی ہوئی وادی تھی۔ سامنے کے پہاڑ سے چشمے بہہ کر آرہے تھے اور وادی میں بہتے ہوئے وہ آگے کی طرف چلے جارہے تھے۔ اِن چشموں کے راستے میں بار بار پتھر کے ٹکڑے آرہے تھے، لیکن چشمہ ان پتھروں سے ٹکرائے بغیر اپنا راستہ بدل کر آگے کی طرف بڑھ جاتا تھا۔ میں وہاں بیٹھ گیا اور خاموشی کے ساتھ بہتے ہوئے چشمے کے اِس منظر کو دیکھتا رہا۔ پھر میں نے اپنے کشمیری ساتھیوں سے کہا کہ دیکھئے، پانی کے یہ چشمے ٹکراؤ سے بچتے ہوئے اپنا سفر جاری کئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ اِس کے برعکس، آپ ٹکراؤ کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کریں تو آپ کبھی اِس میں کامیاب نہ ہوسکیں گے، یہ خدا کا قانون ہے اور خدا کے قانون میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ((43 :35۔

پھر میں نے کہا کہ اِس دنیا میں خدا کا قانون عدم ٹکراؤ کے اصول پر قائم ہے۔ خلا کے تمام ستارے اور سیارے ایک دوسرے سے ٹکرائے بغیر اپنا سفر طے کرتے ہیں۔ اِس دنیا کے لیے خدا کا قانون یہ ہے کہ کوئی تعمیری مقصد صرف پُرامن طریقِ کار کے ذریعے حاصل ہو، اِس دنیا میں پرتشدد طریقِ کار کے ذریعے کوئی بھی مفید نتیجہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے کہا کہ اہلِ کشمیر نے 1947 کے بعد اپنے مقصد کے حصول کے لیے جو طریقہ اختیار کیا، وہ نفرت اور تشدد کا طریقہ تھا۔ ایسا طریقہ خدا کی اِس دنیا میں مکمل طور پر ایک غیر فطری طریقہ ہے۔ ایسے کسی طریقے کے لیے پیشگی طور پر فطرت کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ اِس دنیا میں کبھی کامیاب نہ ہو۔

جمعہ کا دن، فساد کا دن

ایک کشمیری مسلمان سے ایک تعلیم یافتہ ہندو نے کہا کہ میں نے قرآن کو پڑھا ہے۔ قرآن کی سورہ الجمعہ میں بتایا گیا ہے کہ: اے مسلمانو، جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لو تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تم اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو، تا کہ تم کامیاب ہو:

When the prayer is ended, then disperse in the land and seek of God's grace, and remember God much, that you may be successful. (62: 10)

قرآن کی اِس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے مذکورہ ہندو نے کہا کہ آپ کے قرآن میں یہ لکھا ہوا ہے کہ آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلیں تو آپ، لوگوں کو خدا کی رحمت بانٹیں، اور آپ لوگوں کا حال یہ ہے کہ آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر نکلتے ہیں تو آپ نعرہ اور جلوس کی سیاست چلاتے ہیں، نفرت کی باتیں کرتے ہیں اور لوگوں کے اوپر پتھر پھینکتے ہیں۔ ایسا کر کے آپ لوگ خود اپنے دین کے خلاف کام کر رہے ہیں۔

یہ تبصرہ صرف کشمیر کے مسلمانوں پر نہیں، بلکہ وہ ساری دنیا کے مسلمانوں پر صادق آتا ہے۔ آج کل ہر ملک کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ انھوں نے جمعہ کے دن کو نفرت اور تشدد کی باتوں کا دن بنالیا ہے۔ اُن کا تقریباً ہر رہنما جمعہ کے اجتماع کو اپنے سیاسی مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

یہ بہت خطرناک علامت ہے۔ یہ خدا کے دین کو اپنے قومی اور سیاسی مقصد کے لیے استعمال کرنا ہے۔ یہ عین وہی چیز ہے جس میں یہود اپنے دورِ زوال میں مبتلا ہوئے۔ قرآن کے مطابق، یہ روش یہود کے لیے خدا کے غضب کا سبب بنی۔ اگر مسلمان اِس روش کو اختیار کریں تو وہ یقینی طور پر اس کے شدید انجام سے بچ نہیں سکتے۔ اِس معاملے میں کسی بھی قوم کا کوئی استثنا نہیں۔

عمر ضائع ہوگئی

کشمیر کے ایک مشہور عالم کا واقعہ ہے۔ ان کو ''مفکرِ کشمیر'' کہا جاتا تھا۔ وہ کشمیر کی سیاسی تحریک میں ایک رہنما کی حیثیت سے شامل تھے۔ 13 دسمبر 1990 کو کشمیر میں ان کو کچھ مسلم نوجوانوں نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 87 سال تھی۔

28 نومبر 2011 کی ایک ملاقات میں کشمیر کے ایک مسلمان نے مجھ کو بتایا کہ مذکورہ عالم کی وفات سے کچھ پہلے انھوں نے راقم الحروف کی کتاب ''الاسلام'' اُن کو پڑھنے کے لیے دی تھی۔ بعد کی ایک ملاقات میں مذکورہ عالم نے کہا کہ مجھے اِس کتاب سے پورا اتفاق ہے۔ اِس کتاب کو پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ میں نے اپنی ساری عمر ضائع کر دی۔ کاش، یہ کتاب مجھے پہلے مل گئی ہوتی۔

مذکورہ عالم کا یہ قول اہل کشمیر کے لیے اُن کی طرف سے ''کلمۂ باقیہ'' (آخری نصیحت) کی حیثیت رکھتا ہے۔ مذکورہ عالم کی زندگی میں اہلِ کشمیر نے اُن کے سیاسی مشورے کو اختیار کیا تھا۔ اب اہلِ کشمیر کو چاہیے کہ وہ اسی طرح ان کے اسلامی مشورے کو اختیار کرلیں، یعنی اہلِ کشمیر تشدد کا طریقہ چھوڑ کر امن کا طریقہ اختیار کرلیں۔ وہ سیاست کے طریقے کو چھوڑ کر پُرامن دعوت کا طریقہ اختیار کرلیں۔ ایک فارسی

شاعر کی زبان سے مذکورہ عالم کی روح اہلِ کشمیر سے کہہ رہی ہے کہ — میں سیاست سے پرہیز نہ کرسکا، تم لوگ سیاست سے پرہیز کرو: من نہ کردم، شما حذر بہ کنید!

جنت کا دروازہ

شہنشاہ جہاں گیر (وفات: 1627) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک بار وہ کشمیر گیا۔ کشمیر کے خوب صورت مناظر کو دیکھ کر جہاں گیر نے کہا— دنیا میں اگر کوئی جنت ہے تو وہ صرف کشمیر ہے:

اگر فردوس بر روئے زمین است

ہمین است و ہمین است و ہمین است

یہ شعر اس مفہوم میں درست نہیں کہ کشمیر خود جنت الفردوس کی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ ایک اور معنی میں یہ شعر درست ہے، وہ یہ کہ کشمیر قدرت کی طرف سے مہیا کردہ ایک پوائنٹ آف ریفرنس (point of reference) ہے۔ اِس پوائنٹ آف ریفرنس کے حوالے سے کوئی شخص جنت کی پہچان حاصل کرسکتا ہے اور اس کے حوالے سے کوئی شخص اپنے آپ کو جنت میں داخلے کا مستحق بنا سکتا ہے۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ جنت کو جب جنت کی نعمتیں ملیں گی تو وہ کہیں گے کہ ایسا ہی رزق ہم کو دنیا میں ملا تھا، اور جنت کا رزق دنیا کے رزق کے متشابہ ہوگا:

> Whenever, they are given fruit to eat, they will say, ‘This is what we were provided with before’, they were given similar things. (2: 25)

موجودہ دنیا اپنی تخلیق کے اعتبار سے، جنت کا تعارف ہے (47: 6)۔ جنت کی دنیا ایک مکمل دنیا (perfect world) ہے، اور موجودہ دنیا جنت کی مانند ایک غیر مکمل دنیا (imperfect world)۔ یہ بات پورے سیارۂ ارض کے لیے درست ہے۔ تاہم، زمین کے بعض مقامات ایسے ہیں جہاں زمین کی یہ حیثیت بہت زیادہ نمایاں ہے۔ یہ زیادہ ممتاز طور پر جنت کی یاد دلانے والی ہے۔ انھیں مقامات میں سے ایک مقام بلاشبہہ ریاست جموں وکشمیر ہے۔ کشمیر کو درست طور پر ”کشمیر، جنت نظیر“ کہا جاتا ہے۔

ایک آدمی جس کے اندر جنت کا شعور زندہ ہو، وہ جب کشمیر کے خوب صورت مناظر کو دیکھے گا تو وہ پکار اٹھے گا کہ — خدایا، تو نے مجھے عارضی جنت کا منظر دکھا دیا، اب تو مجھے ابدی جنت میں داخل کردے۔ اِس اعتبار سے، کشمیر بلاشبہہ ایک عظیم پوائنٹ آف ریفرنس ہے۔ کشمیر کو دیکھ کر ایک باشعور انسان وہ دعا کرسکتا ہے جس کو حدیث میں، اسمِ اعظم کے ساتھ دعا کرنا کہا گیا ہے۔

مگر اس دعا کے لیے موافق ماحول ضروری ہے۔ نفرت اور تشدد کے ماحول میں کسی کے اندر یہ ربانی دعا ابل نہیں سکتی۔ کشمیر میں نفرت اور تشدد کا کلچر چلانے کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کشمیر کو ایک عظیم نعمت سے محروم کردیا جائے۔ نفرت اور تشدد کے ماحول میں لوگوں کی زبان سے صرف بد دعا نکلے گی، نہ کہ کوئی ربانی دعا۔ ایسے ماحول میں لوگوں کا دماغ منفی افکار کا جنگل بن جائے گا، جب کہ مذکورہ قسم کی اعلیٰ ربانی دعا کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کا دماغ مثبت افکار کا باغ بنا ہوا ہو۔

قرآن کے مطابق، جنت کامل معنوں میں ایک امن کی جگہ ہے (10: 25)۔ جنت گویا امن کلچر کا چمنستان ہے۔ ایسی جنت میں تشدد پسند لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تشدد اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک نفسیاتی آگ ہے۔ جو لوگ دنیا کی زندگی میں آگ والی نفسیات کے ساتھ جئیں، اُن کے لیے شدید اندیشہ ہے کہ وہ آخرت میں بھی آگ کی دنیا میں ڈال دئے جائیں۔

قرآن کے مطابق، جنت کے باشندے کامل طور پر امن پسند ہوں گے (36: 66)۔ وہاں ہر انسان کے دل میں دوسرے انسان کے لیے صرف امن اور محبت کے جذبات ہوں گے۔ ایسی حالت میں جنت میں بسانے کے لیے صرف انھیں لوگوں کا انتخاب کیا جائے گا جنھوں نے موت سے پہلے کی دنیا میں اِس امن پسندانہ مزاج کا ثبوت دیا ہو۔ موجودہ دنیا ایک انتخاب گاہ (selection ground) ہے۔ موجودہ دنیا میں ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جارہا ہے جو کامل طور پر امن پسند ہوں اور جنت کے پرامن سماج میں بسائے جانے کے قابل ہوں۔ یہ وہ سب سے بڑی حقیقت ہے جو اہلِ کشمیر کو بھی سوچنے کی دعوت دیتی ہے، اور اِسی طرح دوسرے مقام کے لوگوں کو بھی۔

ناشکری کا کلچر

تشدد (violence) کیا ہے، تشدد ناشکری کا کلچر ہے۔ شکایت سے تشدد پیدا ہوتا ہے اور تشدد آدمی کے اندر سے شکر کی نفسیات کا مکمل طور پر خاتمہ کردیتا ہے۔ ابلیس نے آغازِ حیات میں چیلنج کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں انسانوں کو شکر کے راستے سے ہٹادوں گا اور بیش تر انسانوں کو میں شکر نہ کرنے والا بنا دوں گا: **ولا تجد أکثرھم شاکرین** (7:17)۔

اِس اعتبار سے دیکھئے تو تشدد کوئی سادہ بات نہیں۔ جس سماج میں تشدد کا کلچر ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہاں کے لوگوں پر شیطان غالب آگیا ہے۔ شیطان نے اُن کو بہکا کر، پہلے شکایت اور پھر تشدد کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ تشدد ایک شیطانی کلچر ہے، اور تشدد جہنم کا دروازہ کھولنے والا ہے۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو ابلیس کو حکم دیا کہ وہ انسان کے آگے جھک جائے، مگر ابلیس، انسان کے آگے نہیں جھکا۔ ابلیس، جنات کا سردار تھا۔ ابلیس کو اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بہت سی چیزیں حاصل تھیں، مگر ایک چیز کے نہ ملنے پر وہ شکر کے راستے سے ہٹ گیا۔ یہی ناشکری ہے، اور ناشکری بلاشبہہ ابلیس کی پیروی ہے۔

جب بھی کوئی فرد یا گروہ شکر کے راستے سے ہٹتا ہے اور نفرت اور تشدد کے راستے پر چلتا ہے تو اس کا سبب ہمیشہ کوئی ایک شکایت ہوتی ہے۔ اُس وقت بھی عملاً ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو 99 چیز ملی ہوئی ہوتی ہے، لیکن ایک چیز کے نہ ملنے کو وہ اتنا بڑا مسئلہ بنالیتا ہے کہ وہی ایک چیز اس کے دماغ پر چھا جاتی ہے۔ اسبابِ شکر کے ہجوم میں وہ شکایت کا جنگل بن جاتا ہے۔ یہ طریقہ بلاشبہہ شیطان کا طریقہ ہے، خواہ اس کو کتنے ہی خوب صورت الفاظ میں بیان کیا گیا ہو۔

کشمیر یا اِس طرح کے دوسرے مقامات پر جہاں مسلمان سیاسی شکایت کو لے کر بے فائدہ ٹکراؤ کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ سب اِس کی مثالیں ہیں۔ اِن مقامات پر ایسا نہیں ہے کہ مسلمان کلّی محرومی کا شکار ہو گئے ہوں۔ یہ لوگ کسی جزئی شکایت پر غیر ضروری طور پر حساس ہو گئے ہیں۔ یہی غیر ضروری حساسیت ان کا اصل مسئلہ ہے۔ اگر وہ اِس غیر ضروری حساسیت کو ختم کر دیں تو اچانک وہ محسوس کریں گے کہ ان کو اتنا زیادہ ملا ہوا ہے کہ انھیں شکر کی تحریک چلانا چاہیے، نہ کہ ناشکری اور شکایت کی تحریک۔

تشدد کی تزئین

تشدد (violence) کامل معنوں میں ایک تخریبی عمل ہے۔ پوری تاریخ بتاتی ہے کہ تشدد کے ذریعے کبھی بھی کسی فرد یا گروہ کو کوئی مثبت کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جب بھی کسی فرد یا گروہ نے تشدد کا طریقہ اختیار کیا تو اس کے حصے میں صرف تباہی آئی، نہ کہ حقیقی معنوں میں کوئی تعمیر۔ اِس کے باوجود کیوں ایسا ہے کہ لوگ بار بار تشدد کا فعل کرتے ہیں، لوگ بار بار متشددانہ کارروائی کرتے ہیں۔ اِس کا سبب شیطانی تزئین (Satanic beautification) ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ شیطان کا خاص طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک غلط کام کو خوب صورت الفاظ میں پیش کرتا ہے، وہ فساد کو اصلاح کا نام دیتا ہے (15: 39)۔ اِس طرح شیطان لوگوں کے ذہن کو متاثر کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو اِس فرضی یقین میں مبتلا کرتا ہے کہ جو کچھ تم کرنے جا رہے ہو، وہ تشدد نہیں ہے، بلکہ وہ مقدس جہاد ہے۔ وہ شہادت کا راستہ ہے جو تم کو سیدھے

جنت تک پہنچانے والا ہے۔ اِس طرح شیطانی تزئین کا شکار ہوکر لوگ تشدد کا عمل کرنے لگتے ہیں۔ وہ ایک غلط کام کر رہے ہوتے ہیں، لیکن شیطان اُن کو بتاتا ہے کہ یہ ایک اچھا کام ہے۔

اِس شیطانی تزئین سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ کہ اپنے عمل کو نتیجہ (result) کے اعتبار سے جانچا جائے۔ جو متشددانہ عمل تباہی کے انجام تک پہنچ رہا ہو، جس سے ملے ہوئے مواقع برباد ہوتے ہوں، اُس کے بارے میں یہ یقین کرلیا جائے کہ وہ شیطان کی تزئین کا نتیجہ ہے اور پھر توبہ واستغفار کر کے اُس سے دوری اختیار کر لی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ تشدد اپنے آپ میں ایک نامطلوب فعل ہے۔ تشدد کبھی کوئی اصلاح پیدا نہیں کرتا، وہ صرف مزید نقصان کا سبب بنتا ہے۔ تشدد ایک حیوانی فعل ہے، وہ کوئی انسانی فعل نہیں۔ تشدد ہمیشہ نفرت اور عداوت سے پیدا ہوتا ہے۔ اپنے اندر سے نفرت اور عداوت کی سوچ کو ختم کر دیجئے۔ اِس کے بعد کبھی شیطان آپ کے اوپر قابو نہ پا سکے گا۔ تشدد جیسے فعل سے آپ کامل طور پر محفوظ ہو جائیں گے۔

ملکہ سبا کا قصہ

قرآن کی سورہ النمل میں ملکہ سبا کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ ملکہ سبا کا زمانہ حضرت سلیمان کا زمانہ (932ق م) ہے۔ اس کی حکومت قدیم یمن کے ساحلی علاقے میں قائم تھی۔ حضرت سلیمان، شام وفلسطین کے حکمراں تھے۔ حضرت سلیمان نے ایک مکتوب ملکہ سبا کو لکھا کہ تم یا تو سرینڈر کرو، یا ہماری فوج کشی کا سامنا کرو۔ اِس کے جواب میں ملکہ سبا نے سرینڈر کا طریقہ اختیار کیا۔ اِس کا سبب بتاتے ہوئے اُس نے کہا: ''بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہ اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، اور یہی یہ لوگ کریں گے''۔ (27:34)

ملکہ سبا کے اِس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب کسی ایسی صورت حال کا سامنا ہو جس میں ممکن انتخاب صرف دو چیزوں کے درمیان ہو— تباہی اور مصالحت، تو ایسی صورتِ حال میں، تباہی کے بجائے، مصالحت (adjustment) کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ اُس وقت یہی اسلام کا طریقہ ہوگا۔

ملکہ سبا نے معاملے کو خالص حقیقت پسندانہ انداز میں دیکھا۔ اس نے یہ رائے قائم کی کہ اگر ہم سلیمان کی طاقت سے ٹکرائیں تو زیادہ امکان یہ ہے کہ ہم ہاریں گے اور پھر ہمارے ساتھ وہی کیا جائے گا جو ہر غالب قوم، مغلوب قوم کے ساتھ کرتی ہے۔ اِس کے برعکس، اگر ہم اطاعت قبول کرلیں تو ہم تباہی سے بچ جائیں گے۔ اِس طرح ہمارے تمام مفادات محفوظ رہیں گے۔

اِس واقعے میں ایسے تمام مسلمانوں کے لیے ایک سبق ہے جو کشمیر جیسی صورت حال سے دوچار ہیں۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ایسے مقامات کے مسلمانوں کی سیاسی پالیسی کیا ہونا چاہیے، وہ پالیسی یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو بے فائدہ ٹکراؤ سے بچائیں، تاکہ وہ حاصل شدہ مواقع کو استعمال کرسکیں۔ وہ ایسا نہ کریں کہ جو ملنے والا نہیں ہے، اُس کو پانے کی کوشش میں وہ ملے ہوئے کو بھی برباد کردیں۔

دورِ تشدد کا خاتمہ

دوسری عالمی جنگ (1939-1945) کے زمانے میں کئی ملکوں نے تشدد کا طریقہ اختیار کیا۔ مثلاً برطانیہ، جرمنی، جاپان، وغیرہ۔ مگر جنگ کے خاتمے پر اِن سب ملکوں نے جنگ کا طریقہ چھوڑ دیا اور پُرامن جدوجہد کا طریقہ اختیار کرلیا۔ یہ واقعہ کوئی سادہ واقعہ نہ تھا۔ یہ دراصل اس بات کا اعلان تھا کہ اب انسانی تاریخ اُس مرحلے میں پہنچی ہے، جب کہ تشدد کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے۔ اب انسان کے لیے صرف ایک ہی آپشن ہے اور وہ پرامن طریقِ کار کا آپشن ہے۔ کوئی بھی عمل نتیجہ کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ جو عمل مثبت نتیجہ نہ پیدا کرے، وہ بلاشبہہ اِس قابل ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے۔ دوسری جنگ عظیم میں یہی واقعہ پیش آیا۔ جو قومیں اِس جنگ میں شریک تھیں، انھوں نے اِس جنگ میں جان ومال کی بے شمار قربانیاں دیں، مگر نتیجے کے اعتبار سے، یہ قربانیاں ہر ایک کے لیے لاحاصل ثابت ہوئیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دورِ جدید میں جو ہتھیار ایجاد کئے گئے، وہ جنگ کے لیے مانع (deterrent) بن گئے ہیں، وہ جنگ کے لیے محرک (incentive) کی حیثیت نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر جرمنی اور جاپان نے دوسری عالمی جنگ میں، جنگ کا طریقہ اختیار کرکے بہت زیادہ نقصان اٹھایا تھا، لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد انھوں نے اپنی قومی جدوجہد کے لیے جنگ کا طریقہ چھوڑ دیا اور اس کے بجائے امن کا طریقہ اختیار کرلیا۔ اِس کے نتیجے میں دونوں ملکوں نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ یہ کامیابی اِس کے باوجود ہوئی کہ جرمنی نے اپنے ملک کا ایک حصہ مشرقی جرمنی (East Germany) کھودیا تھا، اور جاپان اپنے ایک بڑے جزیرہ اوکی ناوا (Okinawa) سے محروم ہوگیا تھا۔

کشمیر اور دوسرے علاقے، جہاں مسلمان تشدد کی تحریک چلا رہے ہیں، اُنھیں اِن واقعات سے سبق لینا چاہیے۔ یہ واقعات محض کسی ملک کے واقعات نہیں ہیں، وہ فطرت کے قانون کو بتاتے ہیں۔ فطرت کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ نفرت اور تشدد کے راستے پر چلیں، اُن کے حصے میں آخر کار صرف محرومی آئے، اور جو لوگ امن اور محبت کے راستے پر چلیں، اُن کو ہر قسم کی کامیابی حاصل ہو۔

تخریبی سیاست

مغربی دنیا کے ایک مشہور مسلم مقرر نے وہاں کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ — ظالم حکمراں کے خلاف بغاوت، خدا کے لیے وفاداری ہے:

Rebellion to a tyrant, obedience to God.

یہ جملہ اسلام کی سیاسی تعبیر (political interpretation) کے تحت بننے والے ذہن کی نمائندگی کرتا ہے۔ مسلمانوں کی جدید نسل عام طور پر، اس سیاسی تعبیر سے متاثر ہے۔ آج کی دنیا میں جگہ جگہ اسلامی انقلاب کے نام پر جو ہنگامے جاری ہیں، وہ اِسی سیاسی فکر کا نتیجہ ہیں۔

اِس قسم کی نام نہاد انقلابی سیاست ہرگز اسلامی سیاست نہیں۔ اگر شدید لفظ استعمال کیا جائے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ اسلام کے نام پر ایک شیطانی سیاست ہے۔ اِس سیاست کا بانیٔ اول خود شیطان ہے۔ آج جو لوگ اِس قسم کی سیاست کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں، وہ بلاشبہہ شیطان کی پیروی کررہے ہیں، نہ کہ اسلام کی پیروی۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ تخلیقِ انسانی سے پہلے جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا تو اُس وقت وہاں آدم کے سوا دو مخلوق اور موجود تھی — فرشتے اور جنات۔ اللہ نے حکم دیا کہ تم لوگ آدم کے آگے جھک جاؤ۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے اِس حکم کی تعمیل کی، لیکن ابلیس (جنات کا سردار) نے اللہ کے اِس حکم کو ماننے سے انکار کیا، وہ اللہ کا باغی بن گیا۔

یہ انسانی تاریخ میں، اتھارٹی (authority) کے خلاف بغاوت کا پہلا واقعہ تھا۔ یہ سیاسی بغاوت یا پالٹکس آف اپوزیشن (politics of opposition) بلاشبہہ شیطان کی سنت ہے۔ اتھارٹی سے ٹکرائے بغیر اپنا کام کرنا، یہ ملائکہ کا طریقہ ہے۔ اور اتھارٹی سے ٹکراؤ کرکے پالٹکس آف اپوزیشن کا ہنگامہ کھڑا کرنا، شیطان کا طریقہ۔ عجیب بات ہے کہ شیطان کی یہ منفی سیاست پوری تاریخ میں مسلسل طور پر جاری رہی ہے، اہلِ ایمان کے درمیان بھی اور غیر اہلِ ایمان کے درمیان بھی۔ اِسی منفی سیاست کا یہ نتیجہ ہے کہ انسانی تاریخ، تعمیر کی تاریخ بننے کے بجائے، تخریب کی تاریخ بن گئی۔

فطرت کے خلاف

انسانی زندگی میں تبدیلی لانے کے لیے جو سرگرمیاں کی جاتی ہیں، ان کو تحریک (movement) کہا جاتا ہے۔ اِس دنیا میں تحریک کی دو صورتیں ہیں — مبنی بر ذہن تحریک، مبنی بر نظام تحریک (mind-based activism, system-based activism)۔

تحریک کا وہ انداز جو فطرت کے مطابق ہے، وہ صرف ایک ہے، اور وہ ہے— مبنی بر ذہن تحریک۔ اِس کے برعکس، مبنی بر نظام تحریک، فطرت کے یا خالق کے تخلیقی منصوبے کے خلاف ہے۔ اِس فرق کی بنا پر ہمیشہ ایسا ہوگا کہ مبنی بر نظام تحریک ہمیشہ ناکام ہوگی اور مبنی بر ذہن تحریک ہمیشہ کامیاب۔ آج کی دنیا میں جو نفرت اور تشدد پایا جاتا ہے، وہ صرف اِس قانونِ فطرت سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

موجودہ زمانے میں، کشمیر اور دوسرے مقامات پر جو تحریکیں چلائی گئیں، اُن میں سے کوئی تحریک ایسی نہیں ہے جو ذہن (mind) کو نشانہ بنا کر چلائی گئی ہو۔ وہ سب کی سب نظام (system) کو نشانہ بنا کر چلائی گئیں۔ اِس لیے اُن کا یہ منفی انجام ہوا کہ اِس طرح کی ہر تحریک کا نتیجہ صرف تباہی کی صورت میں برآمد ہوا— سیکڑوں سال کی روایات ٹوٹ گئیں، لوگوں کے درمیان نفرتیں پیدا ہوئیں جو آخر کار تشدد تک جا پہنچیں۔ باہمی خیر خواہی کا ماحول ختم ہوگیا، وغیرہ۔

مبنی بر نظام تحریک غیر فطری تحریک ہے۔ صحیح تحریک وہ ہے جو اصلاحِ ذہن کی بنیاد پر چلائی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام کا الگ سے کوئی وجود نہیں۔ انسان کے مجموعے ہی کا دوسرا نام نظام ہے۔ انسان اگر فرداً فرداً اصلاح یافتہ ہوجائیں تو اُن کے مجموعے سے جو نظام بنے گا، وہ فطری طور پر ایک اصلاحی نظام ہوگا۔ قانونِ فطرت کے مطابق، اصلاح کی تحریک فرد سے شروع ہوتی ہے، نہ کہ نظام سے۔ جو تحریک نظام کی اصلاح کے نام پر شروع کی جائے، وہ اپنے آغاز ہی سے دو طبقوں کے درمیان ٹکراؤ پیدا کرے گی، اور جہاں نفرت اور ٹکراؤ پایا جائے، وہاں عملاً اصلاح کا امکان ہی ختم ہوجاتا ہے۔

صالح تحریک، غیر صالح تحریک

ہر آدمی کے اندر ایک شیطان چھپا ہوا ہے۔ یہ شیطان، نفرت کا بم (hate bomb) ہے۔ ہر آدمی امکانی طور پر نفرت کا بم اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ نفرت کا یہ بم عام حالات میں، انسان کے اندر سویا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی طرح اُس کو جگا دیا جائے، تو اچانک وہ بے پناہ ہو کر بھڑک اٹھتا ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ اِس معاملے میں کسی عورت یا مرد کا کوئی استثنا نہیں۔

اِس صورتِ حال کا مطلب دوسرے لفظوں میں، یہ ہے کہ ہر انسان ایک انتہائی آتش گیر (highly inflammable) مادّہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی سماج میں اگر دس ہزار آدمی ہیں، تو وہ گویا کہ دس ہزار چلتے پھرتے آتش گیر مادّے کا مجموعہ ہیں۔ یہ دراصل ذاتی مفاد (personal interest) ہے جو لوگوں کو مزاجاً متشدد ہونے کے باوجود، مجبورانہ طور پر امن پسند بنائے رہتا ہے۔ ایسی صورت میں قیادت

(leadership) کا کام ایک بے حد مشکل کام ہے۔ جس قائد کے پاس صرف شکایت اور احتجاج کا نعرہ ہو، اُس کو ہرگز میدان میں نہیں آنا چاہیے۔ کیوں کہ اس کا منفی نعرہ لوگوں کو بھڑکائے گا اور آخر کار، سماج کا وہ حال ہوجائے گا، جیسے ایک مقام پر بہت سے آتش گیر مادّے ہوں اور وہ اچانک بھڑک اٹھیں۔

قائد پر لازم ہے کہ اگر اس کے پاس محبت کا نعرہ ہے، تب تو وہ اپنی تحریک لے کر سماج میں آئے۔ اور اگر اُس کے پاس صرف نفرت اور شکایت کی باتیں ہوں، تو اس کے لیے فرض کے درجے میں ضروری ہے کہ وہ اجتماعی تحریک ہرگز نہ شروع کرے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے آپ کو اپنے گھر کے اندر محصور کرلے۔ یہی اس کے لیے نجات کی واحد صورت ہے۔

اجتماعی تحریکیں دو قسم کی ہوتی ہیں — مثبت تحریک، اور منفی تحریک۔ مثبت تحریک وہ ہے جو ذاتی ذمّے داری (duty) کی بنیاد پر اٹھائی جائے۔ ایسی تحریک ایک صالح تحریک ہے۔ منفی تحریک وہ ہے جو حقوق طلبی اور احتجاج کی بنیاد پر اٹھائی جائے۔ ایسی تحریک ایک غیر صالح تحریک ہے۔ صالح تحریک کا نتیجہ ہمیشہ اچھا نکلتا ہے، اور غیر صالح تحریک ہمیشہ بُرے انجام پر ختم ہوتی ہے۔

اصلاحی عمل کا نقطۂ آغاز

قدیم زمانے میں جب یہود پر سیاسی زوال آیا تو اُن کے اندر یہ مزاج پیدا ہوا کہ وہ لڑکر دوبارہ فلسطین میں اپنا سیاسی اقتدار قائم کریں۔ اُس وقت، بائبل کے بیان کے مطابق، یہود کے پیغمبر یرمیاہ نے اُن سے کہا — بادشاہ اور اس کی والدہ سے کہو کہ عاجزی کرو اور نیچے بیٹھو، کیوں کہ تمھاری بزرگی کا تاج تمھارے سر پر سے اتار لیا گیا ہے:

> Say to the king and to the queen mother, “Humble yourselves; sit down, for your rule shall collapse, the crown of your glory.” (Jeremiah 13: 18)

یہاں یہود کی مثال کی صورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قوموں پر عروج کے بعد زوال آتا ہے، سیاسی بالادستی کے بعد انھیں سیاسی زیردستی کا تجربہ ہوتا ہے۔ یہ معاملہ قانونِ فطرت کے تحت پیش آتا ہے۔ اُس وقت قوم کو چاہیے کہ وہ اِس تبدیلی کو تسلیم کرے۔ کیوں کہ اُس وقت اِس تبدیلی کو تسلیم نہ کرنا اپنے آپ کو مزید تباہی کی طرف لے جانے کے ہم معنیٰ ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ سیاسی اقتدار (political power) کسی گروہ کی قومی اجارہ داری (monopoly) نہیں۔ سیاسی اقتدار کا حصول اس کی ضروری اہلیت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ قوم کے اندر

جب تک صلاحیت پائی جائے، سیاسی اقتدار بھی اُس کو حاصل رہے گا۔ صلاحیت کے فقدان کے بعد سیاسی اقتدار بھی اس سے چھن جائے گا۔ جب ایسا ہوتو قوم کو چاہیے کہ وہ دوبارہ اپنے اندر ضروری صلاحیت پیدا کرے، نہ کہ وہ فریقِ ثانی کے خلاف بے فائدہ جنگ چھیڑ دے۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ ما بقوم میں تغیر ہمیشہ مابأنفس میں تغیر کا نتیجہ ہوتا ہے ((13:11۔مابقوم سے مراد اجتماعی حالت ہے، اور مابأنفس سے مراد انفرادی حالت۔ جب بھی کسی قوم کی اجتماعی سطح پر زوال آئے تو اس کو اپنے افراد کی سطح پر اس کا سبب ڈھونڈنا چاہیے۔ کیوں کہ قوم کے افراد کی حالت کو بدلنے کے بعد ہی قوم کی اجتماعی حالت بدل سکتی ہے، اس کے بغیر ہر گز نہیں — عمل کا آغاز افراد کی سطح سے ہوتا ہے، نہ کہ اجتماع کی سطح سے۔ اجتماع کی سطح پر جو آغاز ہوتا ہے، وہ صرف لیڈری ہے، نہ کہ کوئی حقیقی عمل۔

کشمیریت کی طرف واپسی

کشمیریت کیا ہے، کشمیریت دراصل صوفیت کا دوسرا نام ہے۔ کشمیری کلچر کا مطلب ہے، صوفی کلچر۔ کشمیر شاید پوری دنیا میں واحد مقام ہے جہاں اسلام صرف صوفیوں کے ذریعے آیا اور صوفیوں کے ذریعے پھیلا۔ اِس لیے کشمیر میں کشمیریت کو قائم کرنا، دراصل صوفیت کو قائم کرنا ہے۔ صوفیت اور روحانیت دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ صوفیت تمام تر امن اور محبت سے عبارت ہے۔ صوفیت اِس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ امن اور محبت کے کلچر کا دوسرا نام ہے۔

صوفی کلچر کیا ہے، خود صوفیوں کی زبان میں، وہ صلحِ کُل (peace with all) کا نام ہے۔ یہی صوفی کلچر، مسلم اور مسلم کے درمیان بھی مطلوب ہے، اور مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی۔

کشمیر کے لوگ پچھلے سیکڑوں سال سے اِسی صوفی کلچر پر قائم تھے۔ وہاں کا پورا ماحول امن اور محبت اور سماجی ہم آہنگی کے اصول پر مبنی تھا۔ کشمیر کے لوگ نفرت اور تشدد سے بالکل نا آشنا تھے۔ کچھ بیرونی عناصر نے کشمیر کے لوگوں کو بہکا کر اُن کو اِس کشمیری کلچر سے ہٹا دیا۔ نفرت اور تشدد کے کلچر نے کشمیریوں کو کوئی مثبت چیز نہ دی، البتہ اس کا نقصان یہ ہوا کہ کشمیریوں سے اُن کا سب سے زیادہ قیمتی اثاثہ چھن گیا، اور وہ یہی صوفیانہ کلچر تھا جو ہمیشہ سے کشمیر کی علامت بنا ہوا تھا، یعنی امن اور محبت کا کلچر۔

یہ کشمیر کی خوش قسمتی تھی کہ پچھلے چند سو سالوں میں یہاں باہر سے جو مسلم صوفی آئے، یا مقامی طور پر جو صوفی پیدا ہوئے، وہ سب کے سب امن اور محبت کا پیغام دینے والے تھے۔ اِس کے نتیجے میں کشمیر میں

زبردست اِنقلاب آیا۔کشمیر میں اسلام کوغیر معمولی طور پرفروغ حاصل ہوا۔

مثال کے طور پر شیخ نورالدین نورانی (وفات: 1439ء) کشمیر کےصوفیوں میں سے ایک صوفی تھے۔ کشمیر کے لوگوں میں عام طور پر وہ ''علَم دارِ کشمیر'' کے نام سے مشہور تھے۔ ہندو لوگ انھیں پیار سے ''نندرشی'' کہتے تھے۔وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں طور پر مقبول تھے۔

شیخ نورالدین نورانی سچی کشمیریت کی علامت تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ — اگر تو دانش مند ہے تو ہندو اور مسلمان کو الگ الگ انسان نہ سمجھ، یہی خدا سے ملنے کا راستہ ہے۔ وہ شاعر بھی تھے۔ چناں چہ ان کا کلام کشمیر کے ایک شاعر نے 'رشی نامہ' کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ نورالدین نورانی کےنزدیک انسان کی ایک ہی پہچان تھی، وہ یہ کہ انسان انسان سے محبت کرے۔ ان کےنزدیک انسان سے محبت ہی خدا کی پہچان کا راستہ ہے۔

شیخ نورالدین نورانی کے قیمتی اقوال میں سے ایک قول کا مفہوم یہ ہے کہ — میں نے تلوار توڑ دی اور اُس سے درانتی بنالی۔ یہ قول شیخ نورانی کے فکر کا خلاصہ ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے لوہا بنایا جس میں خصوصی طاقت ہے، مگر لوہا اس لیے نہیں ہے کہ آپ اس کو تشدد کے لیے استعمال کریں، بلکہ آپ کو چاہیے کہ لوہے کو تعمیر انسانیت کے لیے استعمال کریں۔ آپ لوہے سے تلوار کے بجائے درانتی بنائیں جو زراعت کے کام آتی ہے۔ لیکن اکتوبر 1989 سے کشمیر میں ایسے لوگ اُبھرے جو برعکس اصول پر یقین رکھتے تھے۔ انھوں نے برعکس طور پر یہ کیا کہ اپنی ''درانتی'' کو توڑ کر اُس سے ''تلوار'' بنالی۔ انھوں نے جہاد کے نام پر پوری ریاست میں نفرت اور تشدد پھیلا دیا۔

جہاں تک راقم الحروف کا تعلق ہے، میں پہلے دن سے نام نہاد کشمیری تحریک کو بے اصل سمجھتا رہا ہوں۔ میرا کہنا یہ رہا ہے کہ اِس طرح کے واقعات تاریخ کے ذریعے ظہور میں آتے ہیں، نہ کہ موجودہ قسم کی تحریک کے ذریعے۔ میرا ماننا ہے کہ کشمیر کا فیصلہ انڈیا کی آزادی کے وقت ہی ہو چکا ہے۔ اب نہ اُس کو باقاعدہ جنگ کے ذریعے بدلا جاسکتا ہے اور نہ گوریلا وار کے ذریعے۔ اِس قسم کی ہر کوشش مکمل طور پر ناکام ہوچکی ہے۔ اُس کو مزید دہرانا، صرف اپنے نقصان میں اضافے کے ہم معنیٰ ہے۔

تجربہ بتاتا ہے کہ انڈیا ہر اعتبار سے پاکستان سے بہت زیادہ ترقی کررہا ہے۔ ایسی حالت میں کشمیر کے لیے بہترین چوائس انڈیا ہے، نہ کہ پاکستان۔ حقیقت یہ ہے کہ انڈیا کے ساتھ جُڑنا، ایک ترقی یافتہ ملک کے ساتھ جڑنا ہے۔ اور پاکستان کے ساتھ جڑنا، ایک ایسے ملک کے ساتھ جڑنا ہے جو ابھی تک

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ — اللہ نے مجھ کو دنیا کے تمام انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، پس تم میری طرف سے تمام انسانوں کو میرا پیغامِ رحمت پہنچا دو۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز تاریخ میں گونجتی ہوئی تمام مسلمانوں تک پہنچ رہی ہے۔ اِسی طرح وہ اہلِ کشمیر سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہی ہے کہ — اے کشمیر کے مسلمانو، تم میرے مشن کو پورا کرو اور تمام انسانوں تک میرا پیغام پہنچانے میں میرے مددگار بن جاؤ۔ کیا کشمیر کے مسلمان پیغمبر اسلام کی اِس آواز پر لبیک کہیں گے !؟

ISBN 978-81-7898-778-1

9 788178 987781

www.goodwordbooks.com